© rasailojaraid.com



ڈاکٹر مظفر عباس

# اُردو شاعری پر اسلامی تہذیب و ثقافت کے اثرات

(۱)

'بانگِ درا' کے حصہ سوم کا آغاز علامہ اقبال کی نظم "بلادِ اسلامیہ" سے ہوتا ہے۔ اس مختصر نظم میں علامہ اقبال نے انتہائی ایجاز و اختصار سے اسلامی تہذیب و ثقافت کی تاریخ کو بیان کرتے ہوئے دلی، بغداد، قرطبہ، قسطنطنیہ کی اسلامی تہذیبی وراثت کا ذکر کیا ہے اور آخر میں اسلامی تہذیب و ثقافت کی اساس کی یوں نشاندہی کی ہے ؂

ہے اگر قومیت اسلام پابندِ مقام　　ہند ہی بنیاد ہے اس کی نہ فارس ہے نہ شام

آہ یثرب دیس ہے مسلم کا تو ماویٰ ہے تو　　نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو

جب تلک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں

صبح ہے تو اس چمن میں گوہرِ شبنم بھی ہیں [۱]

میرے نزدیک اسلامی تہذیب کی اساس کی نشان دہی اس سے بہتر انداز میں ممکن ہی نہیں ہے۔ کیونکہ تہذیب کوئی جامد شے نہیں ہے۔ یہ انسانی تحرک و ارتقا کی شارح ہوتی ہے۔ تہذیب کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جسے مناسب آب و ہوا، ماحول اور زمین کی ضرورت ہوتی ہے مگر اس کی اساس وہ 'دانہ' ہوتا ہے جس کے بغیر آب و ہوا، ماحول اور زمین کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تہذیبیں جن کی اساس کسی پاکیزہ و پائیدار نظام اعتقادات پر نہیں ہوتی اپنی موت آپ مر جاتی ہیں، اسی نکتے کی وضاحت حکیم الامت نے 'ضربِ کلیم' میں "مغربی تہذیب" کے عنوان سے کی ہے ؂

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب　　کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

---

[۱] کلیاتِ اقبال، طبع اوّل، ص: ۱۴۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ضمیرِ پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف[۲]        رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید

تہذیب کی پائیداری اس کی روح کی پاکیزگی و پائیداری کی مرہونِ منّت ہے اور روح سے مراد وہ اعتقادات و نظریات اور ذہنی و فکری روایات ہیں جن کی وہ مخصوص تہذیب شارح ہوتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جو تہذیب جس قدر پائیدار اساس پر قائم ہوگی اسی قدر وہ دیرپا ہوگی اور اس کے اثرات کا حلقہ اتنا ہی وسیع تر ہوتا چلا جائے گا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ہم اسلامی تہذیب کو حوالے کے طور پر پیش کر سکتے ہیں کہ چودہ صدی بیشتر جو تہذیب عرب کے بے آب و گیاہ ریگ زاروں سے شروع ہوئی تھی، آج بلا تفریقِ رنگ و نسل، زبان و علاقہ تمام دنیا پر اس کی گہری چھاپ ہے اور یورپ کے تہذیبی مراکز میں اسے نمائش کے قابل سمجھا جا رہا ہے اور اس کے اثرات سے بھٹکے ہوئے راہی راہِ راست پر آ رہے ہیں۔ یہ سب اس مالکِ حقیقی کا احسان ہے جس نے قعرِ مذلت میں گرے ہوئے انسانوں کو ہادیٔ برحق خاتم النبیینؐ کے ذریعے راہ راست دکھائی، جس نے بھوکوں مرنے سے بچایا، جس نے خوف سے امن دیا۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۙ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ ۚ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۙ الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ۬ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۠

[قریش کے مانوس کرنے کے سبب، (یعنی) ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب لوگوں کو چاہیے کہ (اس نعمت کے شکر میں) اس گھر کے مالک کی عبادت کریں، جس نے اُن کو بھوک میں کھانا کھلایا، اور خوف سے امن بخشا]

(۲)

آغازِ اسلام ہی سے مسلمانوں نے دنیا کی دیگر اقوام کو متاثر کرنا شروع کر دیا تھا اور لوگ جوق در جوق اس مذہب کی جانب آنے لگے تھے، جس کا ثبوت وہ خطے ہیں جہاں مسلمانوں کی حکمرانی قائم نہیں ہوئی مگر اسلام وہاں بھی موجود ہے۔ اس میں جہاں اسلام کی حقانیت کو

---

۲ھ کلیاتِ اقبالؒ طبع اول، ص ۵۳۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



دخل ہے وہاں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی پاکیزگی و بلند کرداری کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب و ثقافت کی پاکیزگی و قوت کے اثرات بھی شامل ہیں مسلمان جہاں کہیں بھی گئے ان کی تہذیب کو ہر دلعزیزی اور قبول عام کی سند حاصل ہوئی۔ کیونکہ یہ تمدن صرف انسانی زوائد کی تہذیب نہیں کرتا بلکہ خود انسانی زندگی کی تہذیب کر کے انسان کی کایا پلٹ دیتا ہے۔

انسانیت کی نشاۃِ ثانیہ اور علوم و فنون کی ترویج میں اسلامی تہذیب نے قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ رابرٹ بریفالٹ (ROBERT BRIFFAULT) نے تو یہاں تک تسلیم کیا ہے:

It was under the influence of Arabia and Moolish revival of culture and vat is the 15th century that the real Renaisance took place. spain and not Italy, was the cradle of the re-birth of Europe.[۳]

اسلامی تہذیب و تمدن کی کامیابی کی ایک بڑی مثال خود پاک و ہند میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ اس خطے میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی اسلامی تہذیب کے اثر و نفوذ کا آغاز ہوا۔ ہندوؤں نے اس نئی تہذیب کا پُرجوش طریقے سے خیر مقدم کیا۔ قبولیت کے اس عمل میں برعظیم کے مخصوص حالات نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس دور کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کی برعظیم میں آمد کے زمانے میں یہ خطہ کئی ایک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا جن پر مطلق العنان فرماں رواؤں کا راج تھا۔ ریاستیں آپس میں برسرِ پیکار رہتی تھیں، داخلی مسائل میں بُری طرح الجھی ہوئی ان قوموں کے پاس اتنی فرصت نہ تھی کہ خارج کی طرف نظر کرتے اور تازہ افکار و خیالات سے مستفید ہوتے۔ پورا معاشرہ استحصال و محرومی کا شکار

---

۳۔ The making of Humanity p: 298.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تھا۔ اس معاشرے میں برہمن کو برتری حاصل تھی اور معاشرہ نفرت، طبقاتی تقسیم، عصبیت اور گروہ بندی کا شکار ہو کر توہمات اور غیر انسانی رسوم کے جال میں پھنسا ہوا تھا[۴] ان دگرگوں حالات میں اس خطے میں مسلمانوں کی آمد نیک فال ثابت ہوئی اور بقول ڈاکٹر جمیل جالبی وہ "اپنے عقیدے کی روشنی، تازہ دم خیالات اور تخلیقی قوتوں کے ساتھ"[۵] معاشرے پر چھا گئے۔ اس خطے پر اسلامی تہذیب و تمدن نے جو دور رس اثرات مرتب کیے اُن کا تجزیہ ڈاکٹر تارا چند نے یوں کیا ہے:

"Not only did Hindu religion, Hind Art, Hindu Literature and Hindu science absorb Muslim elements but the very spirit of Hindu culture and the very stuff of Hindu mind were also altered."[۶]

صرف یہی نہیں بلکہ مسلمانوں نے اپنی آمد کے بعد مقامی باشندوں اور مقامی ماحول سے کماحقہٗ آگاہی حاصل کی اور مقامی پس منظر کے ساتھ اپنا علیحدہ مذہبی و تہذیبی تشخص قائم کیا، اور اس تشخص کی شارح ایک علیحدہ زبان 'اردو' کے نام سے تخلیق کی جس کا جسمانی ہیکل تو مقامی تھا مگر روح خالص اسلامی۔

(۳)

برعظیم پاک و ہند میں تبلیغِ اسلام میں سب سے اہم کردار صوفیائے کرام نے ادا کیا ہے۔ ان صوفیا کے اثرات ہی نے اسلامی تہذیب کو اس خطے میں مقبول کیا۔ یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ اردو شعر و ادب کی داغ بیل بھی ان صوفیا کے ہاتھوں پڑی جنھوں نے دکن میں اپنے مشن کی تکمیل کے لیے عربی اور فارسی زبانوں سے قطع نظر کر کے مقامی بولیوں

---

۴۔ ان حالات کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو "تمدن ہند پر اسلامی اثرات" از ڈاکٹر تارا چند۔

۵۔ "برعظیم میں علم تہذیب" از ڈاکٹر جمیل جالبی — تاریخ مسلمانانِ پاکستان و ہند پہلی جلد، (مقدمہ) ص ۲۔

۶۔ Influence of Islam on Indian Culture (Allahabad 1963) p. 137.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کو ذریعۂ اظہار بنایا۔ ان صوفیائے کرام کے ملفوظات، رسائل اور مثنویاں درحقیقت اردو کے ابتدائی نمونے ہیں۔ ان کی زبان اگرچہ ترقی یافتہ نہیں، مگر ماہرین لسانیات نے اسے اردو کی ابتدائی شکل تسلیم کیا ہے۔ دکن میں اردو شعر و ادب کی ترویج کے سلسلے میں حضرت بندہ نواز گیسو دراز (م ۸۲۵ھ) مصنف معراج العاشقین شاہ میراں جی شمس العشاق (م ۹۰۲ھ) اور شاہ برہان الدین جانم (م ۹۹۹ھ) کی خدمات خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔ ان بزرگوں نے اردو زبان کی بنیاد مستحکم کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب و ثقافت کا تعارف بھی اس انداز سے کرایا کہ دیکھتے ہی دیکھتے پورا ہندوستان اس کی خوبیوں کے گن گانے لگا۔

یہاں شاہ میراں جی کے بارے میں یہ روایت خصوصاً قابلِ ذکر ہے:

"شمس العشاق کے حالات سے پتا چلتا ہے کہ وہ مکّہ میں پیدا ہوئے اور انھوں نے عرب ہی میں پرورش پائی۔ تقریباً بارہ برس تک نبی کریمؐ کے روضے پر حاضر رہے۔ اس دوران ایک رات نبی کریم نے خواب میں انھیں ہندوستان کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔ شاہ میراں جی شمس العشاق نے عرض کیا کہ وہ ہندوستان کی زبان نہیں جانتے۔ اس پر نبی کریمؐ نے فرمایا کہ تمھیں سب زبانیں معلوم ہو جائیں گی۔ اس بشارت کے بعد شاہ میراں جی ہندوستان آ گئے۔" [۵]

گویا ان صوفیا کی اس خطے میں آمد منشائے خداوندی کے تابع تھی۔ اُردو شعر و ادب کے اس ابتدائی دور کا تمام تر کام ان ہی صوفیا کی کاوشوں کا مرہونِ منت ہے۔ اسی لیے اس دور کے شعر و ادب پر تصوّف کی گہری چھاپ ہے، اور تصوّف یقیناً اسلامی تاریخ و تمدن کا ایک اہم باب ہے۔ اس اعتبار سے یہ دور اردو شعر و ادب پر تہذیب اسلامی کے اثرات کا نقطۂ آغاز قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس دور میں صوفیائے کرام نے تبلیغ اسلامی اور اپنے مریدوں کو مسائل دینی سمجھانے کی غرض سے رسائل لکھے۔ یہ رسائل نظم و نثر دونوں میں ہیں۔ ان میں اسلامی عقائد و عبادات کے ساتھ ساتھ تمدنِ اسلامی کے اہم پہلو مفصل انداز میں ملتے ہیں۔ صوفیائے کرام کے یہ رسائل شعر و ادب

---

۵ تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند چھٹی جلد [اردو ادب اول] ص ۱۱۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے ابتدائی نقوش ہونے کے ساتھ ساتھ برعظیم میں اسلامی تہذیب کے اوّلین نمونے بھی ہیں۔
اس دور کے اہم رسائل اور ان کے مصنفین کے نام یہ ہیں [۵۹]

خواجہ بندہ نواز گیسو دراز : ہدایت نامہ ، عشق نامہ ، تلاوت الوجود ، دارالاسرار ، شکار نامہ ، تمثیل نامہ ، ہشت مسائل ۔

شاہ میراں جی شمس العشاقؒ ، خوش نامہ ، خوش نظر ، شہادت الحقیقت ۔

شاہ برہان الدین جانمؒ : وصیت الہادی ، سکھ سہیلا ، منفعت الایمان ، نکتۂ واحدہ ، نسیم الکلام ، رمز الواصلین ، بشارۃ الذکر ، محبت البقار ۔

شاہ میراں جی خدا نماؒ : شرح تمہید ہمدانی ، چکی نامہ عرفان ۔

مولانا عبداللہ : احکام الصلوٰۃ ۔

شاہ امین الدین اعلیٰ : محبت نامہ ، وجود نامہ ، رموز السالکین ، نور نامہ ، ذکر نامہ [۵۹] ۔

مندرجہ بالا رسائل کے موضوعات و عنوانات پر ہی ایک نظر ڈالنے سے اس حقیقت کا علم ہوتا ہے کہ اردو زبان کے آغاز میں نظم و نثر کس حد تک اسلامی رنگ میں رنگی ہوئی تھی ۔ یہاں یہ بات خصوصاً قابل ذکر ہے کہ ان مخصوص رسائل سے قطع نظر جن کا مقصد تبلیغ اور رشد و ہدایت تھا ، ایسی اصناف پر بھی یہی رنگ حاوی ہے جو عام عاشقانہ خصوصیات کی حامل تھیں ۔ مثلاً "چکی نامہ" ایک عوامی صنف ہے جس کا دکن میں بڑا رواج تھا ۔ یہ نظم عورتیں چکی پیستے وقت گاتی تھیں اور ان میں مقبولِ عام عوامی قسم کے موضوعات کو نظم کیا جاتا تھا مگر صوفیائے کرام نے اس عوامی صنف سے بھی تبلیغ اور رشد و ہدایت کا کام لیا اور اس انداز کے "چکی نامے" تخلیق کیے کہ یہ اب صرف " عوامی تفریحی" صنف نہ رہے بلکہ باقاعدہ اسلامی عقائد کے اظہار کا ذریعہ اور تہذیب اسلامی کے شارح بن گئے ۔ یہاں

---

۵۸ مولوی عبدالحق ، اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام ص ۲۳ ۔

۵۹ تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند ، چھٹی جلد ، چوتھا پانچواں باب ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ اور سید میراں چشتیؒ (میراں جی خدا نما) کے چکی ناموں کے یہ دو نمونے ہماری بات کی تائید کے لیے کافی ہیں ۔

دیکھو وا جب تن کی چکی　　پیو جا تر ہو کے سکی
سوکن ابلیس کھینچ کھینچ تھکی　　کے یا بسم اللہ ہو ہو اللہ
الف اللہ اس کا دستا　　سیانے محمد ہو کر بستا
نیچی طلب دلوں کو دستا　　کے یا بسم اللہ ہو ہو اللہ[۱]

(خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ)

---

بسم اللہ ذاتی ناؤں
قرآن اوپر لیا ٹھاؤں
کُلِ شئِ اس کی چھاؤں
لا الہ کہنا الا اللہ میں رہنا
نبی رسول سے من لانا اللہ اللہ کہنا

اوّل اللہ ناؤں
صفت جس کا ٹھاؤں
یاد ہے میرے جی میں
ہر دم تیرا ناؤں
لا الہ کہنا الا اللہ میں رہنا
نبی رسول سے من لانا اللہ اللہ کہنا

اللہ آپی گنج خفی
ظاہر ہوتے آیا
نبیؐ صاحب کے برقے میں

---

[۱] تاریخ ادبیاتِ مسلمانان پاک و ہند چھٹی جلد ص ۳۴۹ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ایلس کیوں دکھلایا

لا الہ کہنا الا اللہ میں رہنا

نبی رسولؐ سے من لانا اللہ اللہ کہنا [۱۱]

(میراں جی خدا نما)

(۴)

دکن کی سرزمین اردو شعروادب کا مولد ہے، یہاں مسلمانوں کی حکومتیں قائم تھیں اور اسلام سرکاری مذہب کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ صوفیائے کرام کے زیرِ اثر عوام کے قلب وذہن بھی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ اس صورتِ حال میں جب شاعری کا آغاز ہوا تو اسلامی عقائد ونظریات شاعری کا لازمی عنصر بن کر ابھرے۔ چنانچہ اردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر سلطان محمد قلی قطب شاہ کے کلیات میں موجود دوسو بیس نظموں میں سے بیشتر براہِ راست اسلامی نظریات وموضوعات کے حوالے سے لکھی گئی ہیں۔ ان نظموں کے موضوعات پر ایک نظر ڈالنے ہی سے اس حقیقت کا علم ہو سکتا ہے۔ حمد، نعت، منقبت، مرثیہ کے علاوہ مدحِ حضرت فاطمہ، عیدِ میلاد النبیؐ، عید غدیر، شب برات، ہلال عید و عیدِ رمضان، بقر عید اور نوروز، اسی طرح کی نظمیں ہیں۔ "کلیاتِ قطب شاہ" سے عید الاضحیٰ کے موضوع پر لکھی گئی ایک نظم سے یہ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

بکر بد عید آیا صلوات بر محمدؐ
آنند علم اُچایا، صلوات بر محمدؐ

یک دھیان ایک چت سوں دل ہور جیو میرا
حیدر سوں صدق لایا صلوات بر محمدؐ

جیکچ مراد میرا دل میں جو تھی خدا تھے
وہ ہی مراد پایا صلوات بر محمدؐ

بارہ امام، پنج تن کا لہر جم ہما ہو
منج سیس چھانو چھایا صلوات بر محمدؐ

دندیاں کی ذات کوں سب یک ڈھیر یوں ہے بکرید
ڈکہ آگ میں بھونایا صلوات بر محمدؐ

صدقے نبی کے قطبا حنّان محل میا نے
عشرت پکڑ بسایا صلوات بر محمدؐ [۱۲]

---

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور طبع اوّل دکن ص ۱۲۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



دکن کے ایک اور نمایاں ترین شاعر ولی دکنی کے ہاں بھی تہذیبِ اسلامی کے اثرات خاصے نمایاں ہیں۔ ولی سیلانی مزاج صوفی شاعر تھا، اس کا مزاج عاشقانہ تھا اور وسیلۂ اظہار بیشتر غزل کو بنایا، تاہم اس کے کلیات میں موجود قصیدہ "در مدح بیت الحرام" مسلمانوں کی مذہبی و تہذیبی میراث کی مکمل طور پر نشان دہی کرتا ہے۔ "بیت الحرام" کی مرکزیت، اس سے مسلمانوں کی جذباتی وابستگی اور اس کو دیکھنے کی خواہش کے اظہار میں ولی کے قلم میں بلا کی روانی آجاتی ہے۔ اس اہم قصیدے کے یہ تین شعر ملاحظہ ہوں:

کیا ہے غم مجکوں اگر جگ میں نہیں مونسِ غم — آہ یہ بس ہے مرے درد کوں دل کے مرہم
اس کے مشتاق ہیں سب اہلِ زمیں، اہلِ سما — شوق کا جس نے لیا چرخ پہ خرُشید علم
آگ دوزخ کی اچھے اس پہ قیامت میں حرام — اے ولی صدق سوں دیکھا ہے جو کئی بیت حرم[۱۳]

ولی کا یہ قصیدہ صرف ایک مسلمان شاعر کے جذبات کے اظہار کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ ان جذبات و احساسات اور گہری وابستگیوں کا ترجمان ہے جو اس دور کے مسلمان بیت الحرام کے لیے وقف کیے ہوئے تھے۔ یہ اس دور کی فکری نہج کا تعین کرتا ہے کہ جس نے آگے چل کر برصغیر میں حقانیت کی شمعیں روشن کیں۔ یہ ان روایات کا بھی امین ہے جو آگے چل کر اردو شاعری کی سمت غائی کا باعث ہوئیں۔ ولی کے دل میں شریعت و طریقت کے لیے کس قدر والہانہ جذبات موجود تھے، اس کا اندازہ اُن کے اِن دعائیہ اشعار سے بھی ہوتا ہے:

الٰہی دل اُپر دے عشق کا داغ — یقین کے نین میں سٹ کحل مازاغ
الٰہی عشق میں مشتاق کر مجھ — ایس کے شوق کا مشتاق کر مجھ
عیاں کر دل اُپر راز طریقت — سئے پہ کھول ابوابِ حقیقت

دکنی دور کے شعرا کی لکھی ہوئی مثنویوں میں خصوصاً اسلامی تہذیب و تمدن کے واضح نقوش ملتے ہیں۔ ان مثنویوں کے حصے اگرچہ ایران و توران اور چین و روم کے ہیں مگر معاشرت اور کرداروں کے لباس، بول چال، وضع قطع تمام کے تمام اسلامی تمدن کے عکاس

---

۱۳ کلیاتِ ولی مرتبہ احسن مارہروی طبع اوّل دکن ص ۶۸ - ۳۶۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہیں۔ بیشتر کے موضوعات بھی خالصتاً اسلامی ہیں، ان مثنویوں کی ان خصوصیات و مقاصد کی نشان دہی کرتے ہوئے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کہتے ہیں:

" اکثر مثنویاں عام مسلمہ ادبی ڈھانچے کے مطابق نہیں ہیں، بلکہ عام قسم کی مسلسل نظمیں ہیں جو دینی اور اخلاقی تعلیم و تربیت کے مقصد سے لکھی گئی ہیں۔ ظاہر ہے ان کے مخاطب وہ خواص نہیں تھے جو علوم دینی و دنیوی سے بہرہ اندوز تھے اور جن کو عربی، فارسی پر دسترس حاصل تھی۔ اصلاً ان کا خطاب ان ہزاروں عوام سے تھا جو ادبی لطافتوں اور نزاکتوں سے ناآشنا تھے اور جن کے ساتھ صاف سیدھی زبان میں دینی اور اخلاقی مضامین پر گفتگو کی ضرورت تھی۔"[۱۴]

اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر سلطان محمد قلی قطب شاہ نہ صرف مسلمان بلکہ پُرجوش مسلمان تھا۔ اس حوالے سے اُردو شاعری کا آغاز ہی اسلامی فکری روایت کے پس منظر میں ہوا اور اردو شاعری اپنے آغاز کے ساتھ ہی اسلامی تہذیب و ثقافت کی نقیب کی حیثیت میں منظرِ عام پر آئی۔ چنانچہ اُردو کی مختلف اصنافِ شعر بجنسہ اسلامی تہذیبی تشخص کی آئینہ دار ہیں۔ حمد، نعت، منقبت، مرثیہ خالصتاً اسلامی فکری روایت کا مظہر ہیں بلکہ ان اصناف پر تو اسلامی فکر اس حد تک غالب ہے کہ مختلف عقائد رکھنے والے شعرا بھی جب ان اصناف میں طبع آزمائی کرتے ہیں تو وہ بھی ان کی اسلامی روح کو برقرار رکھے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہاں پنڈت دیا شنکر نسیم کی مثنوی "گلزارِ نسیم" کا حوالہ برمحل ہوگا جس کے آغاز میں انھوں نے حمد، نعت، منقبت لکھ کر صنفِ مثنوی کے اسلامی رنگ کو برقرار رکھا ہے:

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری — ثمرہ ہے قلم کا حمدِ باری
کرتا ہے دو زبان سے یکسر — حمدِ حق و مدحتِ پیمبر ؐ
پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے — یعنی کہ مطیع پنج تن ہے

یہی نہیں بلکہ اُردو شاعری کی تاریخ میں لاتعداد ہندو نعت گو اور مرثیہ گو گزرے ہیں جنھوں نے ان خالصتاً اسلامی اصنافِ شعر میں طبع آزمائی کرتے ہوئے جہاں اپنی عاقبت

---

[۱۴] تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند چھٹی جلد (مقالہ بعنوان: اصنافِ سخن) ص ۳۱۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سنواری ہے، وہاں اس بات کا ثبوت بھی بہم پہنچایا ہے کہ اسلام نے اس خطے کے باشندوں کے دلوں اور ذہنوں پر بھی حکمرانی کی ہے۔ ان ہندو شعرا میں لچھمی نرائن شفیق، راجہ مکھن لال، پنڈت گنیئی لال خستہ، بشن نرائن حامی، مہادیو پرشاد سامی، منشی شنکر لال ساقی، شریمتی رام پیاری، شریمتی بوا دتی (بی۔ ڈی)، چمن لال چمن، دلو رام کوثری، مہاراجہ کشن پرشاد شاد اور پنڈت ہری چند اختر خصوصاً قابلِ ذکر ہیں[۱۵]۔ یہاں صرف دو شعرا کی نعتوں کے اشعار بطور نمونہ پیش ہیں۔ یہ اشعار صاحبانِ کلام کی فنی و شعری خوبیوں کے ساتھ ساتھ برِعظیم کے باشندوں پر اسلامی عقائد و نظریات اور تہذیب و تمدن کے گہرے اثرات کی بھی نشان دہی کرتے ہیں۔

## دلو رام کوثری

کوثری تنہا نہیں ہے مصطفیٰؐ کے ساتھ ہے
جو نبیؐ کے ساتھ ہے، وہ کبریا کے ساتھ ہے

کس لیے پھر در پے آزار ہیں اشرارِ قوم
اس کا کیا کر لیں گے جو خیر الوریٰ کے ساتھ ہے

کچھ نہیں حیرت یدِ بیضا کی مجھ کو اے کلیم
ہاتھ اپنا دامنِ آلِ عبا کے ساتھ ہے

رحمۃ للعالمینؐ کے حشر میں معنے کھلے
خلق ساری شافعِ روزِ جزا کے ساتھ ہے

لے کے دلو رام کو حضرتؐ گئے جنت میں جب
غُل ہوا ہندو بھی محبوبِ خداؐ کے ساتھ ہے[۱۶]

---

کر لے ہندو بیاں اس طرز سے تو وصف احمدؐ کا
مسلماں مان جائیں لوہا سب تیغِ مہنّد کا

کبھی گنگا میں آ ڈوبا، کبھی کوثر پہ جا نکلا
پتہ کچھ بھی نہیں مخصوص درویشِ مجرّد کا

---

[۱۵] ان شعرا اور دیگر ہندو شعرا کے نعتیہ کلام کے لیے ملاحظہ ہوں:

(۱) ہندو شعرا کا نعتیہ کلام مرتبہ عبدالمجید خادم سوہدروی مطبوعہ مسلمان اکیڈمی لاہور۔

(۲) "اذانِ بتکدہ" مرتبہ منشی محمد الدین فوق، مطبوعہ ظفر برادرز لاہور (۱۹۳۴ء)۔

[۱۶] ہندو شعرا کا نعتیہ کلام (طبع اوّل لاہور) ص: ۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یہی چار عنصر کا اشارہ ہے کہ لے رستہ مدینے کا، نجف کا، کربلا کا اور مشہد کا[۱۷]

---

عظیم الشان ہے شانِ محمدؐ خدا ہے مرتبہ دانِ محمدؐ
کتب خانے کیے منسوخ سارے کتابِ حق ہے قرآنِ محمدؐ
نبی کے واسطے سب کچھ بنا ہے بڑی ہے قیمتی جانِ محمدؐ
شریعت اور طریقت اور حقیقت یہ تینوں ہیں کنیزانِ محمدؐ
نبی کا نطق ہے، نطقِ الٰہی کلامِ حق ہے فرمانِ محمد
علی و فاطمہ، شبیر و شبر بسا ان سے گلستانِ محمد
بتاؤں کوثری کیا شغل اپنا
میں ہوں ہردم ثنا خوانِ محمدؐ[۱۸]

## مہاراجہ کشن پرشاد شاد

## قطعات

نعلینِ رسولؐ چترِ شاہی میرا سرتاج پہ تاجِ کجکلاہی میرا
میں حمدِ خدا و نعت گوئی سے ہوں شاد ہو خاتمہ بالخیر الٰہی میرا

---

جلد آئے میرے واسطے وہ دن مولا جاؤں میں کہیں ہند سے سوئے بطحا
اور روضہ پہ جاکر یہ کہوں بادلِ شاد یا سیدِ مکی مدنی صلِّ علیٰ

---

ان آنکھوں سے اللہ کا جلوہ دیکھوں یا نورِ محمدؐ کا تماشہ دیکھوں
آئینہ کی صورت مجھے حیرانی ہے اس فکر میں ہوں شاد کہ کیا کیا دیکھوں[۱۹]

---

۱۷؎ ہندو شعرا کا نعتیہ کلام (طبع اوّل لاہور) ص ۸
۱۸؎ ایضاً ص ۹ و ۱۰ ۱۹؎ ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



(۵)

شمالی ہندوستان میں شاعری کے آغاز ہی کے ساتھ اسلامی تصورات کی فراوانی ملتی ہے۔ میر و سودا کے دور میں مرثیے کی روایت کی تجدید اسی سلسلے کی ایک کڑی کی حیثیت رکھتی ہے۔ میر و سودا کے دور میں اور اس کے بعد دلی ہند میں اسلامی تہذیب کے مرکز کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ دلی کی جامع مسجد اس تہذیب کا مظہر سمجھی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۸۵۷ میں جب انگریزوں نے دلی کی اینٹ سے اینٹ بجائی تو مسلمان شعرا کی آنکھیں خون کے آنسو روئی نظر آتی ہیں، حالی کا یہ کہنا کہ :

تذکرہ دہلیٔ مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز
لے کے داغ آئے گا سینہ پہ بہت اے سیاح
دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز
چپّے چپّے پہ ہیں یاں گوہرِ یکتا تہِ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں اتنا خزانہ ہرگز

درحقیقت اسی اسلامی تہذیب کے زوال کا ماتم ہے۔ یہ ماتم غالب نے اپنے انداز میں کیا ہے۔

" دلی کی ہستی منحصر ہی ہنگاموں پر ہے، قلعہ، چاندنی چوک، ہر روز مجمع مسجدِ جامع کا، ہر ہفتہ سیر جمنا کے پل کی۔ یہ سال میلہ پھول والوں — یہ پانچوں باتیں اب نہیں۔ پھر کہو دلی کہاں ہے" [۲۰]

اس تہذیبی مظہر کے زوال کے بعد مسلمانوں کی کیفیت غالب نے یوں بیان کی ہے :

بس کہ فعّالِ ما یرید ہے آج | ہر سلحشور انگلستان کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے | زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا

---

۲۰۔ مکتوب بنام مہدی حسن مجروح۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے  گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دہلی کا ذرّہ ذرّہ خاک  تشنۂ خوں ہے ہر مسلماں کا

اس اہم تہذیبی مرکز کے زوال کے بارے میں تمام اہم اردو شعرا نے آشوب لکھے ہیں جن میں مسلمانوں کی تہذیبی میراث کے کھو جانے کا ماتم کیا ہے[۲۱] ان اشعار کو پڑھ کر اردو شعرا کی اسلامی تہذیب و تمدن کے ساتھ گہری وابستگی کے ساتھ ساتھ اس تہذیبی انحطاط کا علم بھی ہوتا ہے جس کا ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمان شکار ہوئے۔ دہلی کے ان آشوبوں میں جامع مسجد کی مرکزیت خصوصاً قابلِ توجہ ہے۔ چنانچہ داغ دہلوی کا یہ کہنا:

یا خدا جامع مسجد کا رہے نام بلند  اہلِ کعبہ کہیں وہ آئی اذانِ دہلی[۲۲]

درحقیقت مسلمان شعرا کی اس شدید خواہش کا اظہار ہے جو اسلامی تہذیب کے اس مظہر کی سلامتی کے لیے ان کے دل میں موجود تھی۔ اسی طرح منیر شکوہ آبادی نے دلّی کا جو آشوب کہا ہے اس میں انھوں نے بطورِ خاص مسجدوں کی ویرانی و بے حرمتی پر آنسو بہائے ہیں:

دل تو پژمردہ ہیں داغِ غم گلستاں ہوں تو کیا  آنکھیں روتی ہیں دہانِ زخم خنداں ہوں تو کیا
مسجدیں ٹوٹی پڑی ہیں صومعے ویران ہیں  یادِ حق میں ایک دو دلہائے سوزاں ہوں تو کیا
کربلا میں یا نجف میں چل کے مر جائیں منیر  ہند میں ہم پہلوئے گورِ غریباں ہوں تو کیا[۲۳]

اس دور میں مفتی صدر الدین آزردہ، قربان بیگ سالک، حکیم تقی سوزاں، ظہیر الدین ظہیر دہلوی، حکیم محمد احسن، آغا جان عیش دہلوی، مرزا باقر علی خاں کامل، نواب شہاب الدین ثاقب دہلوی، مرزا قربان علی بیگ، نواب مصطفیٰ خان شیفتہ، مرزا قادر بخش صابر اور تفضّل حسین کوکب نے اسلامی تہذیب کے زوال پر بڑے دل سوز و دل دوز نوحے لکھے ہیں

---

۲۱؎ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: فغانِ دہلی، مرتبہ تفضل حسین کوکب دہلوی طبع اوّل۔ ۲۲؎ ایضاً ص ۱۶۳۔
۲۳؎ کشیدہ حریت، مرتبہ شان الحق حقی، ص ۶۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جن میں اپنے دلی جذبات کے اظہار کے ساتھ ساتھ عامۃ المسلمین کے جذبات بھی پیش کیے ہیں، ان نظموں کو پڑھ کر کوئی بھی اہل دل آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس موضوع پر اس دور کی سب سے اہم تخلیق حالیؔ کی مسدس "مدّ و جزر اسلام" ہے جو انھوں نے ۱۸۷۹ میں لکھی۔

مسدسِ حالیؔ درحقیقت مسلمان قوم کا مرثیہ ہے، اس میں اسلامی تہذیب و تمدن کے عروج و زوال کی داستان سنانے کے ساتھ ساتھ انھوں نے مسلمانوں کو دعوتِ عمل دی ہے اور بتایا ہے کہ صرف خدا کو سہارا بنا کر اگر انسان ہمت سے کام لے تو کامیابی یقینی ہوتی ہے:

بشر کو ہے لازم کہ ہمت نہ ہارے　　جہاں تک ہو کام آپ اپنے سنوارے
خدا کے سوا چھوڑ دے سب سہارے　　کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے

اڑے وقت تم دائیں بائیں نہ جھانکو
سدا اپنی گاڑی کو گر آپ ہانکو

حالیؔ کی یہ مسدس مسلمانوں کے تہذیبی زوال کے دور میں راہنما روشنی کی حیثیت رکھتی ہے، حالیؔ نے احساس کمتری اور مایوسی کے شکار مسلمانوں کو نیا ولولہ اور نیا جذبہ عمل عطا کیا۔ مسدس کے آخر میں حالیؔ نے تریسٹھ اشعار پر مشتمل "مناجات" بحضور حضور اکرمؐ لکھی ہے جو خاصے کی چیز ہے، یہ مناجات مسلمانوں کے تہذیبی عروج و زوال کی داستان اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، اس میں حالیؔ نے زوال کے اسباب بیان کرنے کے علاوہ اس نکبت و نحوست سے نکلنے کا نسخہ بھی تجویز کیا ہے اور وہ ہے:

اے چشمۂ رحمت بابی انت و اُمّی　　دنیا پہ ترا لطف سدا عام رہا ہے
ہم نیک ہیں یا بد ہیں پھر آخر ہیں تمھارے　　نسبت بہت اچھی ہے اگر حال بُرا ہے
تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی　　ہاں ایک دعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے

حالیؔ نے اپنی قوم کی کوتاہیوں کا اعتراف بھی کیا ہے اور ان کوتاہیوں ہی کو مسلمانوں کی تباہی کا محرک قرار دیا ہے:

جو کچھ ہیں وہ سب اپنے ہی ہاتھوں کے ہیں کرتوت
شکوہ ہے زمانے کا، نہ قسمت کا گلا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مولانا حالی کے ساتھ ساتھ مولانا شبلی نے بھی قومی درد میں ڈوب کر اپنے ماضی کے حوالے سے انتہائی پُراثر نظمیں لکھیں - ۱۲-۱۹۱۱ء کے ترکیہ کے واقعات نے اسلامی تہذیب کے زوال کو آخری حدوں تک پہنچا دیا ترکیہ جو اسلامیانِ ہند کی آخری امید تھی "مردِ بیمار" کی کیفیت اختیار کر گیا - علامہ شبلی جیسے سچے مسلمان کا دل مسلمانوں پر پڑنے والی اس افتاد پر خون کے آنسو بہانے لگا - انھوں نے ان حالات سے متاثر ہو کر "شہر آشوب اسلام" لکھا :

حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشان کب تک
چراغِ کشتہ، محفل سے اٹھے گا یہ دھواں کب تک

قبائے سلطنت کے گر فلک نے کر دیئے پرزے
فضائے آسمانی میں اُڑیں گی دھجیاں کب تک

مراکش جا چکا، فارس گیا، اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ترکی کا مریضِ خستہ جاں کب تک

یہ سیلابِ بلا بلقان سے جو بڑھتا آتا ہے
اسے روکے گا مظلوموں کی آہوں کا دھواں کب تک

اس نظم میں مولانا شبلی نے مسلمانوں پر ڈھائے گئے مظالم کا تفصیلی تذکرہ کرنے کے بعد اس خطرے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مسلمانوں کی سلطنتوں سے ہوتے ہوئے کہیں دشمنانِ اسلام کی ناپاک نظریں حرم پاک کے تقدس کے درپے نہ ہو جائیں :

بکھرتے جاتے ہیں شیرازۂ اوراقِ اسلامی
چلیں گی تُند بادِ کفر کی یہ آندھیاں کب تک

کہیں اڑ کر یہ دامانِ حرم کو بھی نہ چھو آئے
غبارِ کفر کی یہ بے محابا شوخیاں کب تک

حرم کی طرف بھی صید افگنوں کی جب نگاہیں ہیں
تو پھر سمجھو کہ مرغانِ حرم کے آشیاں کب تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو شبلی اب کدھر جائیں
کہ اب امن و امانِ شام و نجد و قیرواں کب تک[۲۴]

اس دور میں تہذیبی حوالے سے جس ایک شاعر نے اپنی تمام تر توجہ تہذیبی زوال اور تمدنِ اسلامی کے موضوعات پر مرکوز رکھی وہ اکبرالہ آبادی ہیں۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی کا یہ کہنا بالکل بجا ہے:

"انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز (تقریباً پچاس سال) تک ہماری پوری داستان حوصلہ و ہوس کی الفت و آویزش کی پیش قدمی و پسپائی کی، شعور و سکوت کی، سود و زیاں کی، اکبر کی شاعری میں جلوہ گر ہے۔ کہیں خفی، کہیں جلی، کہیں شگفتہ، کہیں حزیں لیکن ہر جگہ دل نشیں۔"[۲۵]

اکبر نے اپنی پوری شاعری مسلمانوں کے تہذیبی زوال کے ماتم کے لیے وقف کر دی۔ انھوں نے اپنے مخصوص انداز میں مغربی تہذیب کی ضرب کاریوں کو طشت از بام کیا۔ یہاں ان کی ایک نظم "برقِ کلیسا" کا حوالہ ضروری ہے۔ اس نظم میں اکبر نے ایک خیالی واقعے کا سہارا لے کر مسلمانوں کی حالت پر طنز کی ہے اور اس تہذیبی و اخلاقی تنزل کی نشان دہی کی ہے جس کا اس دور کے مسلمان شکار ہو چکے تھے، نظم کے آخری حصے میں انھوں نے خصوصی طور پر اس مسلمان کی تصویر پیش کی ہے جو کردار کی بجائے گفتار کا غازی بن کر رہ گیا تھا اور "زن پرستی" کو "دین پرستی" پر ترجیح دینے لگا تھا۔ چنانچہ وہ خود اپنی حالت اپنی "محبوبہ دل نواز" کے روبرو یوں بیان کرتا ہے:

عرض کی میں نے کہ اے لذتِ جان راحتِ جاں
اب زمانے پہ نہیں ہے اثرِ آدمؑ و نوحؑ

شجرِ طور کا اس باغ میں پودا ہی نہیں
گیسوئے حور کا اس دور میں سودا ہی نہیں

ہم میں باقی نہیں اب خالدِ جانباز کا رنگ
دل پہ غالب ہے فقط حافظِ شیراز کا رنگ

---

۲۴؎ کلیاتِ نظم شبلی

۲۵؎ "اکبر پہ ایک نظر" علی گڑھ میگزین، اکبر نمبر جلد ۲۴ شمارہ ۳ ص ۱۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یاں نہ وہ نعرۂ تکبیر نہ وہ جوشِ سپاہ
سب کے سب آپ ہی پر پڑھتے ہیں سبحان اللہ

مجھ پہ کچھ وجہ عتاب آپ کو اے جان نہیں
نام ہی نام ہے ورنہ میں مسلمان نہیں

جب کہا صاف یہ میں نے کہ جو ہو صاحبِ فہم
تو نکالو دلِ نازک سے شبہ اور یہ وہم

میرے اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو
ہنس کے بولی کہ تو پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو[۲۶]

اس دور کے شعرا کے ہاں تہذیبی آشوب اور اسلامی تمدن کی بازیافت کی شدید خواہش مشترک خصوصیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس دور میں جو شاعری تخلیق ہوئی اس کا محور اسلامی نشاۃِ ثانیہ کا خواب ہے۔ شاعر ماضی کے نوحے لکھنے کے ساتھ ساتھ مستقبل کے تابناک خواب بھی بُنتے رہے۔ مولانا جوہر ہوں یا حسرت موہانی، ظفر علی خاں ہوں یا جوش ملیح آبادی، سب کا انداز جدا جدا ہے مگر خواہش مشترک یعنی ـــ اسلامی تہذیب کی بازیافت ـــ اس دور کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ شاعر اپنے اس خواب کی تکمیل کے سلسلے میں پورے طور پر پُر امید ہیں، چنانچہ ظفر علی خاں کی یہ آواز اس پورے دور کی آواز ہے اور اس میں اس دور کے تمام شعرا کے جذبات شامل ہیں :

شریعت کے نگہباں پا بہ جولاں ہوتے جاتے ہیں
مسلمانوں کی آزادی کے ساماں ہوتے جاتے ہیں
پرستارانِ خاکِ کعبہ بے تابانہ بڑھ بڑھ کر
رسول اللہؐ کی عزت پہ قرباں ہوتے جاتے ہیں
پڑی ہے کھلبلی مغرب میں یہ برقی خبر سن کر
کہ مشرق کے مسلماں پھر مسلماں ہوتے جاتے ہیں

یہ دور برِعظیم میں اسلامی تہذیب کے احیا کا دور ہے۔ اسلامی تہذیب کے احیا میں صوفیائے کرام، علمائے دین، مفکرین اور دانش وروں کی خدمات بلاشبہ گراں قدر ہیں مگر یہ حقیقت بھی مسلّمہ ہے کہ اس عملِ نیک میں اُردو شعرا بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے اور ان کی خدمات کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے۔

---

[۲۶] کلیاتِ اکبر طبع اوّل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



(۶)

اردو شاعری کے دورِ جدید میں جن شاعروں نے تہذیبی اقدار اور اسلامی تمدن کے احیا کے لیے مساعیِ جمیلہ انجام دیں، ان میں علامہ اقبالؒ سرِ فہرست ہیں، آج کا دور یقیناً اقبال کا دور ہے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے حوالے سے ہماری شاعری میں جو نظریات سکّۂ رائج الوقت کی حیثیت رکھتے ہیں وہ تمام کے تمام شاعرِ مشرق کی دین ہیں۔ علامہ اقبال نے "Reconstruction of Religious Thought in Islam" کے خطبات کے ذریعے جدید دور کے تقاضوں کے مطابق اسلامی فکر کی توجیہہ کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب و تمدن کی خصوصیات کو جدید ذہن کے سامنے پیش کیا اور منطقی استدلال کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ تہذیبِ اسلامی ہی وہ واحد تہذیب ہے جو جدید انسان کے جملہ تقاضوں کے عین مطابق ہے اور سائنسی دور کی تمام تر ترقیوں کے باوجود اگر انسان کو کہیں "پناہ" مل سکتی ہے تو وہ اسی "تہذیبِ الٰہیہ" کے زیرِ سایہ ممکن ہے۔

علامہ اقبال کے فکری مآخذ قرآن و حدیث ہیں، اسی لیے ان کی فکری جہت کا مرکز ہمیشہ تہذیبِ اسلامی کا نفوذ و احیا رہا۔ بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی اردو شاعری پر فکرِ اقبالؒ کے اثرات کا آغاز ہوتا ہے۔ مارچ ۱۹۲۳ میں اقبال نے "طلوعِ اسلام" انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسے میں پڑھی۔ یہ نظم جدید اردو شاعری میں تہذیب اسلامی کے احیا کے لیے عملی جدوجہد کا استعارہ ہے، اس کا آغاز ہی بیسویں صدی کے نصف اول کے دل شکستہ مسلمانوں کے لیے پیغامِ امید ہے:

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
اُفق سے آفتاب اُبھرا گیا دورِ گراں خوابی

عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی

اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بلبل
"نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی" [۲۷]

---

[۲۷] کلیاتِ اقبال (طبع اول) ص ۲۶۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس نظم نے "امید" کی سرمستی کے ساتھ جہد وعمل کی نئی راہیں روشن کیں اور مسلمانوں کو ازسرِ نو مستقبل کی منصوبہ بندی کے لیے تیار کیا۔ وہ قوم جو اپنی تہذیبی میراث کھو کر اپنے مرکز سے کٹ چکی تھی نئے سرے سے ماضی میں اپنے سرے تلاش کرنے لگی، قوم کی تشکیلِ نو میں اقبال کی خدمات کی مختلف جہات میں ان کی شاعری کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اقبال کی شاعری اسلامی تہذیب وتمدن کی تدوینِ نو کی مظہر ہے اور اس بات کا ثبوت بھی کہ شاعری اور اسلامی تہذیب کا جو رشتہ روزِ ازل سے قائم ہوا تھا وہ تاریخ کے کسی موڑ پر بھی نہیں ٹوٹا۔ ڈاکٹر سہیل احمد خاں کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ — "اردو شاعری ایک طرح سے ہند اسلامی تہذیب کا تخلیقی اظہار ہے —"[۲۸]

برعظیم میں اسلامی تہذیب وتمدن کے ارتقا کے سفر میں شاعری اس کے پہلو بہ پہلو رہی ہے اور تاریخ کے کسی بھی انقلاب آفرین لمحے میں اردو شعرا نے بنیادی اسلامی تصورات سے رشتہ منقطع نہیں کیا۔ اس طویل سفر میں کئی ایک نشیب وفراز آئے مگر شعرا کے پائے ثبات میں ذرہ برابر لغزش نہ آسکی۔ اس کی بنیادی وجہ ان کا وہ پختہ اعتقاد ہے جس کا تجزیہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے بجا طور پر یوں کیا ہے:

"مسلمانوں نے ہمیشہ خود کو ملتِ اسلامیہ کا ایک حصہ سمجھا ہے اور اس فکری وروحانی رابطہ واتحاد پر افتخار کیا ہے۔ انھوں نے برعظیم میں اپنی عظیم تہذیب کو منفرد وممتاز رنگ دینے کے باوجود کسی دور میں اور کسی منزل پر، اپنے وجود کی انفرادیت کو گم نہیں ہونے دیا۔ اس وجود کی انفرادیت مسلم قومیت کے تصور پر قائم ہے اور یہ تصور ایک مذہب (اسلام)، ایک ملک (پاکستان)، ایک زبان (اردو) اور ایک ہزار سال پر پھیلی ہوئی اجتماعی تاریخ (قومی ورثہ) کی اساس پر قائم ہے اور اسی پر قائم رہ سکتی ہے۔ وہ افراد (یا تحریکیں)، جو علاقائی مفادات کی خاطر مسلم قومیت کو اس اساس سے ہٹانے کی کوشش کریں گے، اسی شاخ کو کاٹ ڈالیں گے جس پر وہ بیٹھے ہیں۔"[۲۹]

---

۲۸ھ مقالہ بعنوان قومی وملی شاعری، تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان وہند، جلد ۹ ص ۲۹۴۔

۲۹ھ ڈاکٹر جمیل جالبی، مقالہ بعنوان "برعظیم میں مسلم تہذیب"۔ تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان وہند۔ جلد ۱، مقدمہ، ص ۲۶۔

© rasailojaraid.com